علی گڑھ میں نقدِ غالب کی روایت

ڈاکٹر عقیلہ جاوید* فرح ذبیح**

Abstract:
In this research article the tradition of critical and research studies about Ghalib has been traced in Ali Gadh Muslim University. Hali was the very first critic who wrote a valuable book about Ghalib "Yad Gar-e-Ghalib. It was a starting point of the studies about Ghalib in Urdu. Although he was not from Ali Gadh but his association with Ali Gadh Literary movement is unquestionable. After Hali we found a great tradition of Ghalibyat. Critics and researchers like Khurshid-ul-Islam, Dr. Nazir Ahmad, Rasheed Ahmad Siddiquee, Aal-e-Ahmad Saroor and others contributed much in this tradition.

ادب کی زبان میں تنقید کے معنی جانچ پرکھ کے ہیں۔ اِس اعتبار سے نقاد کے معنی جانچنے اور پرکھنے والا ہے۔ نقاد کا کام جانچ پرکھ کے بعد ادب پارے کی قدرو قیمت کا تعین کرنا ہے۔ بقول علامہ نیاز فتح پوری ''تنقید کی غرض صرف یہ ہے کہ تصانیف اور اُن کے موضوع سے بحث کی جائے اور مصنف و زمانہ تصنیف کی باہمی مناسبت ظاہر کر کے اُن کتابوں سے مقابلہ کیا جائے جو کسی مخصوص موضوع پر مختلف زبانوں اور ملکوں میں لکھی گئی ہیں۔ ہر عہد اور ہر ملک کی علمی تاریخ سے نقاد کا آگاہ ہونا یقیناً لازم ہے کیونکہ فنِ نقد اور تاریخ علم و ادب میں بہت ربط پایا جاتا ہے۔''[۱]

جس فن پارے میں جچی تُلی رائے قائم ہو جائے تو اُس کے پڑھنے کا لطف دوبالا ہو جاتا ہے اور ادبی دنیا میں اُس کا مقام متعین ہو جاتا ہے جس کی بنیاد پر وہ تخلیق ہمیشہ زندہ رہتی ہے۔

> ''تنقید کا اصل مقصد اصلاح و ترقی ہے جس طرح ایک باغبان گلستان کی تزئین و آرائش کے لیے پورا باخبر رہتا ہے وہ پودوں، شاخوں، ٹہنیوں اور پتوں کی مناسبت کو نگاہ میں رکھتا ہے البتہ نقاد کے لیے بے لوث محتاط، سنجیدہ اور تیز ہونا بے حد ضروری ہے۔''[۲]

کسی بھی بڑی تخلیق کے مطالعہ کے بعد یہ اندازہ بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ وہ تخلیق اپنے سیاسی، سماجی اور تہذیبی رجحانات سے ماورا نہیں بلکہ اس میں ایک تخلیق کار اور اُس کے عہد کا اجتماعی شعور کارفرما ہوتا ہے۔

* ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ اُردو، بہاءالدین زکریا یونیورسٹی، ملتان۔
** لیکچرار، آرمی پبلک کالج، ملتان۔

غالب شناسی کا سلسلہ غالب کی زندگی میں شروع ہوا۔ سرسیّد اور حاؔلی جیسے عظیم ادیبوں نے غالب کو موضوعِ سخن بنایا۔ سرسید نے اپنی کتاب آثارالصنادید کے سترہ صفحات غالب کے لیے مختص کیے۔

مولانا حاؔلی کی ''یادگارِ غالب'' ایک بلیغ کتاب ہے اور حاؔلی نقدِ غالب میں معلمِ اوّل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ غالب کو غالب بنانے میں حالی کا بہت بڑا ہاتھ ہے۔ حالی کی تنقید نے غالب سے متعلق بے شمار موضوعات کو تحریک دی۔ مولانا حاؔلی نے ''یادگارِ غالب'' میں نظیری، عرفی، ظہوری کے کلام سے کلامِ غالب کا موازنہ کیا اور غالب شناسی کا دَر وا کیا۔ تاہم حاؔلی کی تنقید اُصولِ تنقید پر پورا نہیں اُترتی۔ حالی نے تنقیدی نقطۂ نگاہ اپنانے کی بجائے غالب کی مدح سرائی زیادہ کی ہے۔

غالؔب شناسی میں دوسرا قدم عبدالرحمٰن بجنوری نے رکھا۔ غالب کے کلام کو الہامی کہنے والے بجنوری نے غالب کو ایسی آفاقی شہرت سے ہمکنار کیا کہ آج غالؔب پر کام کرنے والے ناقد غالؔب سے وابستگی کے سبب خود پر فخر محسوس کرتے ہیں۔ یہ بجنوری جیسے نقاد کا صحیح بے لاگ اور بے باک طرزِ تنقید ہی تھا کہ جس نے غالب کی شاعری کو پُرکشش بنا دیا۔

> ''غالب کو غالب بنانے میں جتنا ہاتھ مولانا حالی کا تھا، عبدالرحمٰن بجنوری کا اس سے کم نہ تھا بلکہ سچ پوچھا جائے تو غالب کو نیا قالب دینا بجنوری کا کارنامہ تھا۔ اس سے لوگوں نے غالب کو جانچنا اور پرکھنا شروع کیا۔''[۳]

میں اکیلا ہی چلا تھا جانبِ منزل مگر
لوگ ساتھ آتے گئے اور کارواں بنتا گیا

عبدالرحمٰن بجنوری نے لکھنے میں جو جاندار طرزِ بیان اختیار کیا ہے اُس سے اُن کی پوری تحریر شاندار ہوگئی ہے۔ بقول پروفیسر کلیم الدین بجنوری نے اپنی تنقید میں غالب کا مغربی شعراء اور دانشوروں سے موازنہ کیا ہے اور ساتھ ہی ساتھ مثالیں بھی دی ہیں۔[۴]

گیان چند جین، رشید احمد صدیقی اور خورشید الاسلام نے بجنوری پر مبالغہ آرائی کا الزام لگایا ہے۔ اس بات پر بھی اعتراض کیا گیا ہے کہ بجنوری نے اپنے مقالے ''محاسنِ کلامِ غالب'' میں غالب کے بعض اشعار کی شرح میں حالی کی تشریح پر اکتفا کیا ہے، لیکن حوالہ نہیں دیا۔ اِن خامیوں کے باوجود عبدالرحمٰن بجنوری کے مقالے کی اشاعت نے نئی نسل میں غالب فہمی پیدا کرنے میں اہم کردار سرانجام دیا۔

علی گڑھ میں مولانا حاؔلی اور بجنوری کی تنقید کے بعد اہم نام مولانا حسرت موہانی کا ہے جن کے اشعار کی شرح کو غالب اور علی گڑھ کے حوالے سے اہمیت اور اوّلیت حاصل ہے۔

حاؔلی سے حال تک علی گڑھ میں تفہیمِ غالب کی جتنی کوششیں ہوئی ہیں انہیں ہم اپنی آسانی کے لیے دو ادوار میں منقسم کر سکتے ہیں۔

پہلا دور سیرتِ غالب اور شخصی کوائف کے ساتھ احباب واسلاف کا ذکر،

دوسرا دور شعری اسالیب اور فکری رویوں کی تعبیر پر مشتمل ہے۔

مجنوں گورکھپوری نے غالب کے کلام کو ہم عصر شاعروں مومن اور شیفتہ کے کلام اور اُن کے عہد میں رکھتے ہوئے پرکھا ہے انہوں نے غالب کی شاعری میں بیدؔل کے رنگ کو تلاش کیا ہے اور سر سید کو غالب سے متاثر ہوئے دکھایا ہے۔ مجنوں گورکھپوری کی کتاب ''غالب، شخص اور شاعر'' غالب کو نئے انداز سے روشناس کراتی ہے۔ اگرچہ یہ کتاب چار مختلف عنوانات کا احاطہ کیے ہوئے ہے مگر اِن مضامین میں تسلسل اور منطقی ربط پایا جاتا ہے۔ اس میں یہ جاننے کی کوشش کی گئی ہے کہ ماحول کی سیاسی شکست وریخت اور خاندانی پسِ منظر نے غالب پر کیا اثرات مرتب کیے۔

''مجنوں کی تنقید میں جو تخلیقی شان ہے اور اُن کے اُسلوب میں جو بلند آہنگ اور پُر زور کیفیت ہے، وہ بے ساختہ بجنوری کی یاد دلاتی ہے۔''[۵]

مجنوں کی طرف غالب پر کیے گئے کام کی فہرست اگرچہ طویل تو نہیں مگر اس کی بنا پر وہ نقدِ غالب سے جو روایت حالی اور بجنوری نے قائم کی اُس کی تیسری کڑی کی حیثیت ضرور رکھتے ہیں۔

ڈاکٹر یوسف حسین خان کو بھی اِس صنف میں نمایاں حیثیت حاصل ہے۔ انہوں نے غالب پر اپنا پہلا اظہارِ خیال اپنی تالیف ''اردو غزل'' میں کیا جو پہلی بار ۱۹۴۹ء میں حیدر آباد سے شائع ہوئی۔ یوسف حسین خان کی کتاب غالب اور آہنگِ غالب ۱۹۶۸ء میں شائع ہوئی۔ اِس کتاب میں یوسف حسین خان نے اُس تشنگی پر توجہ دی جو غالب کے عام نقاد اپنی تحریروں میں چھوڑ گئے۔ مثلاً غالب کے مطالعہ کے دوران غالب کی شاعری کو حتمی سمجھا گیا اور گردوپیش کے حالات پر زیادہ توجہ دی گئی۔ اِس کتاب میں یوسف حسین خان نے خصوصیاتِ کلام اور فن کے مختلف پہلوؤں سے بڑی خوبی سے بحث کی ہے۔ ''بین الاقوامی غالب سیمینار'' مرتبہ یوسف حسین ۱۹۶۹ء غالب کی صد سالہ برسی کے موقع پر اس سیمینار کی یادگار ہے۔ جہاں اندرون ملک اور بیرون ملک کے فاصلوں نے مضامین پڑھے۔ جن میں غالب کے فن اور شخصیت پر روشنی ڈالی گئی یہ اُنہیں مضامین کا مجموعہ ہے۔ بقول ضیاء الدین ''یوسف

حسین غالب کے زیرِ دست مداحوں میں ہیں لیکن اُن کے مزاج میں جو توازن اور انصاف تھا، وہ اُن کی تحریروں میں بھی جلوہ گر ہے۔''

آل احمد سرور تنقیدِ ادب کے ایسے شہسوار ہیں جو ہمہ جہت شخصیت کے مالک تھے۔ جب آپ لکھنؤ یونیورسٹی میں تھے تب انہوں نے غالب پر اپنا پہلا مضمون ''غالب'' لکھا۔ جس میں انہوں نے غالب کی عظمت کا اقرار کرتے ہوئے رائے دی: ''اس قدر تحقیق و تنقید کے بعد حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا۔''

اگر چہ سرور صاحب نے پہلے کہی گئی باتوں کو ہی دہرایا مگر اُن کے کہنے کا انداز دلکش اور بصیرت افروز ہے جو قاری کے لیے روحِ فزا اور مسرت کا باعث ہے[٦]۔ انہوں نے ظہوری، نظیری، بیدل، میر اور ناسخ کے ساتھ غالب کے خیال کی نازک آفرینی کا موازنہ نئے انداز سے کیا۔ آل احمد سرور کی مرتبہ کتاب ''عرفانِ غالب'' ۱۹۷۳ء میں شائع ہوئی۔ غالب کی صد سالہ برسی کے موقع پر علی گڑھ یونیورسٹی کی طرف سے مارچ ۱۹۶۹ء میں سیمینار ہوا تھا۔ اس سیمینار میں جو مضامین پڑھے گئے تھے۔ ان سب کو اس مجموعے میں شامل کیا گیا ہے۔ اس مرتبے میں ۱۸ مضامین شامل ہیں۔ اسی طرح ان کا مرتبہ ''عکسِ غالب'' ۱۹۷۳ء کے تمام مضامین گنجینۂ معنی کی حیثیت رکھتے ہیں۔ سرور صاحب کی زندگی کے ۵۰ سال کا عرصہ غالب کے فکر و فن پر سوچتے گزرا اُن کے افکار کا افشردہ وعصیار پچاس سے زائد مضامین میں ملتا ہے۔

خورشید الاسلام کا نام نقادوں کی فہرست میں شامل ہے۔ یہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں غالب پر پی ایچ۔ ڈی کی سطح پر کام کرنے والے پہلے مقالہ نگار ہیں۔ انہوں نے ''غالب'' (ابتدائی دور) کے عنوان سے مقالہ لکھا جو بعد میں ''غالب تقلید اور اجتہاد' کے نام ۱۹۶۰ء میں شائع ہوا۔ اس مقالے میں اُنہوں نے یہ بتایا کہ غالب اپنے ابتدائی دور میں یعنی ۲۵ سال کی عمر تک فارسی شعراء میں شوکت بخاری، جلال اسیر، بیدل، غنی، ناصر علی، نظیری، عرفی سے متاثر تھے اور ریختہ کے شاعروں میں میر، سودا، ناسخ کی زمینوں میں غزلیں کہیں قدما کی زمینوں میں کہے گئے اشعار کے نمونے بھی شاملِ مقالہ ہیں۔

اُسلوب احمد انصاری کا شمار اردو انگریزی کے نامور شعراء میں ہوتا ہے۔ ''کلامِ غالب کا ایک رُخ'' اُن کا غالب پر پہلا مضمون تھا جو اُن کی ادبی زندگی کا ابتدائی نقش تھا جو ۱۹۵۲ء میں لکھا گیا اور یہ سلسلہ اب تک جاری ہے گویا اُنہیں اس دشت میں سفر کرتے نصف صدی ہو چکی ہے۔ ''نقشِ غالب'' (۱۹۷۰ء) میں شائع ہوئی اُسلوب احمد انصاری کے چھ مضامین شامل ہیں۔ یہ تمام مضامین قابلِ مطالعہ ہیں۔ غالب کے فکر و سخن کو جس طرح انہوں نے

سمیٹنے کی کوشش کی ہے۔ان کے گہرے مطالعۂ میدانِ طبع اور غالب سے گہرے شغف اورانہماک کا پتہ دیتی ہے۔

''غالب کا فن'' ان کا ۵۶صفحات کا ایک طویل مضمون ہے جو پہلے ''نقشِ غالب'' میں شامل تھا بعد میں ۱۹۷۰ء میں ایک کتابی شکل میں شائع ہوا۔اس طویل مضمون میں ۱۲۷۰ شعارِ غالب پیش کر کے غالب کی ہمہ گیر متانت کی نمودفن کے مختلف سانچوں میں ڈھلتی دکھائی دیتی ہے۔''نقش ہائے رنگ رنگ'' ۱۹۹۸ءتنقیدی ادب میں اہم اضافہ ہے۔اس میں وہ تمام مضامین جومختلف رسائل میں چھپتے رہے اور''نقشِ غالب''،''غالب کا فن''، نذرِ منظوراورنقدِ غالب میں شامل ہیں یکجا کر دیئے گئے ہیں کئی دیگرمضامین کااضافہ بھی کر دیا گیا ہے۔اس کتاب میں ۱۶ مضامین شامل ہیں اس مختلف تنقیدی مضامین کے مجموعے کاعنوان بھی غالب کے شعرسے ماخوذ ہے۔

رشید احمد صدیقی بنیادی طور پرانشاء پرداز اور مزاح نگار ہیں اُن کی تنقیدی تحریروں کا دائرہ وسیع نہیں ہے جتنی تنقیدی تحریریں ہیں۔ان میں بھی نکتہ سنجی اور مزاحیہ نقوش اُبھر آتے ہیں۔

> ''وہ ایک ادیب طناز بھی ہیں اور مزاح نگار بھی اس لیے اپنی ادبی تنقیدوں میں
> بھی کبھی کبھی طنز اور مزاح سے کام لیتے ہیں۔'' [۷]

رشید احمد صدیقی سب سے پہلے انشاء پرداز ہیں جنہوں نے''غالب اور علی گڑھ'' کے موضوع پر روشنی ڈالی اوراہلِ علی گڑھ کی کاوشوں کی طرف توجہ دلائی۔''غالب نکتہ دان'' ۱۹۹۷ء (مرتبہ) لطیف الزماں خان اس کتاب میں رشید احمد صدیقی کے غالب پر مضامین اور خطبات کوجمع کر دیا گیا ہے جن میں غالب کی عظمت،انشاء پردازی کا منفرد انداز،شخصیت شاعری جیسے گوشوں پر اپنے مخصوص اُسلوب وانداز میں روشنی ڈالی ہے۔وہ لکھتے ہیں:

> ''مجھ سے اگر پوچھا جائے کہ ہندوستان کو مغلیہ سلطنت نے کیا دیا تو میں بے
> تکلف تین نام لوں گا۔ غالب، اردو، تاج محل۔'' [۸]

''غالب کی شخصیت اورشاعری'' دراصل رشید صاحب کے خطبات پرمبنی ہے جوانہوں نے غالب کی شخصیت اور شاعری پر الگ الگ دیئے تھے۔ٹیگور ہال میں دیئے جانے والے یہ خطبے غالب کی صد سالہ برسی پر شائع ہوئے۔ ان خطبات میں غالب کی زندگی اورفن پر عہد بہ عہد بحث کرتے ہوئے غالب کی پوری زندگی کا نقشہ تنقیدی انداز میں پیش کیا ہے۔اگرچہ رشید صاحب کی غالب پر کیے گئے کام کی فہرست طویل نہیں مگر نقدِ غالب میں اُن کا نام اہم کڑی کی حیثیت رکھتا ہے۔

انہوں نے نظامِ اردو خطبات کے تحت غالب صدی کے موقع پر جو دو خطبات دیئے۔غالب کے اَدا شناسوں

کا خیال یہ ہے کہ یہ خطبات غالب پر تنقیدوں کا نچوڑ ہیں۔

احسن مارہروی تنقید نگاری میں وہ مصائب ومحاسن دونوں کی نشاندہی کرتے تھے۔ وہ بجنوری کی طرح انتہا پسند نہ تھے۔اعتدال میں رہتے ہوئے رائے قائم کرتے اُن کی کتب''منتخبات عودِ ہندی''۱۹۶۹ء،''مکاتیبِ غالب'' ۱۹۳۶ء،''انتخاب رقعاتِ غالب''نقدِ غالب میں اہم اضافہ ہیں۔

ڈاکٹر محمد حسن کی کتاب''عرضِ ہنر''۱۹۷۷ء میں شائع ہوئی۔ غالب پر آٹھ مضامین کا مجموعہ ہے۔ غالب کے فنی اور اُسلوبیاتی تجزیہ کو ایک توازن سے پیش کرتی ہے۔ یہ کوشش اپنی نوعیت کے اعتبار سے نئی ہے۔ یہ مضامین عمرانی تنقید کا نقطۂ اتصال ہیں۔

لطیف الزماں خاں کو یہ اختصاص حاصل ہے کہ وہ عالمی شہرت یافتہ ذخیرۂ غالبیات کے مالک ہیں۔ اِن کا ذخیرہ دنیا بھر میں دوسرا اور پاکستان کا سب سے بڑا ذخیرۂ غالبیات ہے۔ غالب شناسی کے حوالے سے اُن کا اہم کام ''مہرِ نیم روز'' کا ترجمہ ہے۔ جو ۲۰۰۳ء میں شائع ہوا، علاوہ ازیں اِن کے مضامین''بیاضِ غالب کی تصحیح''،''دیوانِ غالب بخطِ غالب رودادِ اشاعت''،''غالب کی فکری وشعری جہتیں''تنقیدی روایت کو توانائی عطا کرتے ہیں۔ غالب اور رشید صاحب سے والہانہ عشق وعقیدت کے حوالے سے کہتے ہیں:

> ''غالب میرا پہلا اور آخری عشق ہے اور رشید صاحب سے عقیدت، عقیدت میں سر جھکا کر نقشِ قدم تلاش کیے جاتے ہیں۔ دائیں بائیں دیکھنے کی اجازت نہیں ہوتی۔''[۹]

احمد جمال پاشا کی کتاب''غالب سے معذرت کے ساتھ''۱۹۶۴ء میں شائع ہوئی۔ یہ کتاب مزاحیہ انداز میں کارٹونز کے ساتھ شائع ہوئی۔ جس کے پڑھنے سے عجیب لطف ملتا ہے کہ غالب سے وابستگی رکھنے والوں نے کیا کیا رنگِ غالب سے وابستہ کیے ہیں۔

ایم حبیب خان کی کتاب''غالب سے اقبال تک''۱۹۷۷ء میں شائع ہوئی اُس کا دوسرا ایڈیشن ۱۹۹۱ء میں شائع ہوا۔ اس میں ۱۵ مختلف نقادوں کے اردو کے کلاسیکی شعراء پر تنقیدی مضامین ہیں۔

حامدہ مسعود کی کتاب''خطوطِ غالب کا فنی تجزیہ'' میں غالب کے نثری اُسلوب کا مطالعہ کیا گیا ہے۔ اس تجزیے میں زبان وبیان، فنی خوبیوں، ادبی محاسن کی مرقع نگاری کی گئی ہے۔

سید اسد علی انوری فرید آبادی کی کتاب''قتیل اور غالب''۱۹۳۹ء میں شائع ہوئی جس میں غالب اور قتیل

دشمنی، مرزا غالب پر قتیل کی مخالفت اوراس افسوسناک قصے کی اصلیت بیان کی گئی ہے جب غالب اپنی پینشن کے سلسلے میں کلکتہ گئے جہاں مشاعرے میں پانچ ہزار کا مجمع تھا۔ غالب نے ''ہمہ عالم'' کی ترکیب والی غزل پڑھی اس پر اعتراض کیا گیا کہ یہ اجتہادِ قتیل بہ ترکیب ممنوع ہے۔ اس پر غالب کے کئی مخالفین پیدا ہوگئے اس سارے واقعے پر تنقیدی تبصرہ دیا گیا ہے۔

ظہیرالدین علوی کی کتاب ''اشک ورشک'' غالب ۱۹۴۱ء میں شائع ہوئی۔ جس میں غالب کے دو منتخب شعروں کو دو عنوانات اشک اور رشک کے تحت جمع کیا گیا ہے۔ اس کتاب میں ۳۸ چھوٹے چھوٹے عنوانات کو زیرِ بحث لایا گیا ہے، اشک اور رشک غالب کی شاعری میں مرکزی حیثیت رکھتے ہیں اور کئی جگہ غالب نے اِن دو علامتوں کا ذکر کیا ہے۔ اس کتاب کے مطالعے سے قاری کو معلوم ہوتا ہے کہ قادرالکلام شاعر اپنے ایک ایک خیال کو کس کس طرح نظم کرنے کا شرف حاصل کرتا ہے۔

ڈاکٹر ذاکر حسین کا ''خطبہ افتتاحیہ'' ۱۹۶۹ء میں شائع ہوا۔ غالب کی صد سالہ برسی کے موقع پر عالی جناب ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب صدر جمہوریہ ہند کا خطبہ افتتاحیہ ہے۔ یہ آٹھ صفحات کا کتابچہ غالب کی پہلو دار شخصیت پر روشنی ڈالتا ہے۔

عتیق صدیقی کا مرتبہ ''غالب اور ابوالکلام'' ۱۹۶۹ء میں غالب کی صدسالہ تقریب کے موقع پر شائع ہوا۔ اس کتاب میں ابوالکلام نے غالب کے سلسلے میں جو کچھ لکھا تھا انہیں جمع کیا گیا ہے اُن کی نوعیت یاداشتوں کی تھی جو مسلسل نہیں بلکہ دو ڈھائی سال کے عرصے میں مختلف اوقات میں لکھی گئی تھیں چونکہ اُن کی حیثیت غیر مربوط تھی لہٰذا جوں کا توں حواشی کے ساتھ پیش کیا گیا تاکہ مضامین میں تسلسل پیدا ہو جائے۔

اخلاق حسین عارف (مرتب) ''غالب کا تنقیدی شعور'' ۱۹۶۹ء میں غالب کی صدسالہ تقریب کے موقع پر شائع ہوئی جس میں غالب کے (۱۱۵) ایسے مکتوب جمع کیے گئے ہیں جن میں مرزا غالب نے کبھی اپنے طور پر کبھی استفسار پر بعض ادبی نکات کی وضاحت کی۔ غالب کی نادر تصاویر اور شجرہ نسب بھی شامل ہے۔ ''غالب اور فنِ تنقید'' ۱۹۷۷ء میں شائع ہوئی جس میں غالب کے ۲۵ شاگردوں کے مکتوبات ہیں جن میں غالب نے اصلاح شعر سے فن تنقید کو رواج دیا۔

سلطان صدیقی (علیگ) کی کتاب ''عرفانِ غالب'' ۱۹۷۴ء میں شائع ہوئی جو گذارش احوال اور پیش لفظ کے علاوہ سات مضامین کا مجموعہ ہے جن میں غالب کی قدر و منزلت استدلالی طور پر متعین کرتے ہوئے غالب کی

شخصیت پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

سید صباح الدین عبدالرحمٰن مرتبہ ''غالب مدح و قدح کی روشنی میں'' (حصہ اوّل) ۱۹۷۷ء تقریباً ۵۰ مضامین پر مشتمل ہے جس میں غالب کی زندگی سے ۱۹۲۸ء تک اُن کی حمایت اور مخالفت میں جو کچھ لکھا گیا اِن پر ناقدانہ تبصرہ کیا گیا۔ حصہ دوم ۱۹۷۹ء میں غالب کی شاعری کی حمایت و مخالفت میں ۱۹۲۹ء سے ۱۹۶۹ء تک جو کچھ لکھا گیا ہے اس پر ناقدانہ تبصرہ ہے۔ اس کتاب کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ کس انداز میں غالب پر تنقید ہو رہی ہے اور اس تنقید نے غالب کا کیا معیار متعین کیا ہے۔ یہ تبصرہ اچھی تنقید کی بنیاد پر مبنی ہے۔ اس کتاب کے مؤلف نے نئے انداز میں غالب پر لکھی جانے والی تحریروں پر تبصرے کیے ہیں، راقم الحروف کو اس معیار کی کتاب تنقیدی ادب میں اور کوئی نظر نہیں آئی۔

پروفیسر ممتاز حسین کی کتاب ''غالب ایک مطالعہ'' ۱۹۶۹ء میں غالب کی صد سالہ برسی کے موقع پر شائع ہوئی۔ دوسری اشاعت ۲۰۰۳ء میں ہوئی۔ ۱۷ صفحات کی اس کتاب میں پانچ مضامین شامل ہیں جس میں مجموعی طور پر مصنف نے غالب کی حیات سے قطع نظر غالب کے فکر و فن پر مباحث کیے ہیں جس میں غالب کے ماحول ان کے سماجی، سیاسی و اقتصادی عوامل کو سامنے رکھتے ہوئے دقتِ نظری سے تنقیدی وسیع مطالعہ کیا ہے۔ یہ کتاب غالب شناسی میں نقدِ غالب کی روایت کی اہم کڑی ہے۔

محمد عزیز حسن (علیگ) ''تصوراتِ غالب'' ۱۹۸۷ء میں شائع ہوئی۔ یہ کتاب ۲۱۲ صفحات میں پانچ مضامین لیے ہوئے ہے۔ جس میں شیخ اکبر محی الدین ابنِ عربی کے فلسفۂ وحدت الوجود کی تفصیل بیان کرتے ہوئے غالب کے معتقدات پر ناقدانہ بحث کی ہے۔ اس کتاب کے مطالعہ سے غالب کے تصورات سے آگاہی ہوتی ہے۔

نذیر احمد، پروفیسر کی کتاب ''غالب پر چند مقالے'' ۱۹۹۱ء میں دہلی سے شائع ہوئی جو گیارہ مقالات کا مجموعہ ہے۔ تحقیقی و تنقیدی نوعیت کے یہ مقالات بعض نئی جہات کی پرتیں کھولتے ہیں جن میں غالب کی فارسی نثر نگاری میں اُسلوب نگاری، فارسی قصیدہ اور فارسی فرہنگ نگاری کو موضوع بنایا اور آخری چار مضامین غالب کے خطوط کی چند توضیحات سے متعلق ہیں۔ ''غالب آشفتہ سر'' مرتبین مہر الٰہی ندیم علیگ، لطیف الزماں خاں، ۱۹۹۶ء میں شائع ہوئی۔ یہ کتاب نذیر احمد کے مختلف رسائل میں شائع ہونے والے ۹ مضامین کا مجموعہ ہے۔ پہلے تین مضامین میں غالب کی شاعری پر عرفی ظہوری، نظیری کے اثرات کو غالب کی فارسی شاعری کے حوالے سے تلاش کیا۔ دستنبو میں دساتیری الفاظ کی نشاندہی اور غالب کے اردو خطوط پر علمی و ادبی مسائل پر تبصرہ ہے۔ نذیر احمد کی کتاب ''تنقیدات'' مرتبہ

۱۹۹۷ء میں دہلی سے شائع ہوئی۔۵۲۲صفحات کی اس کتاب میں ''غالب نامہ'' میں شائع ہونے والے مقالات کا انتخاب کتابی شکل میں شائع کیا گیا۔

خواجہ احمد فاروقی، پروفیسر کی کتاب ''یادوبودِغالب'' دلی سے ۱۹۹۳ء میں شائع ہوئی جو (۹) مضامین کا مجموعہ ہے جس میں غالب کے کلام کی روشنی میں غالب کی عظمت بیان کی گئی ہے۔اس کتاب کے مطالعہ سے غالب کی شخصیت عہد بہ عہد پوری طرح ہمارے سامنے جلوہ گر ہوتی ہے۔ یہ کتاب نقدِ غالب میں اضافے کی حیثیت رکھتی ہے۔

قاضی عبدالودود کی کتاب ''جہانِ غالب'' علی گڑھ سے ۱۹۵۵ء میں شائع ہوئی۔ دوسری اشاعت پٹنہ سے ۱۹۹۵ء میں ہوئی۔۲۹۴صفحات کی اس کتاب میں قاضی صاحب کے اُن مضامین کو یکجا کیا گیا جو۱۹۵۱ء سے۱۹۷۳ء تک مختلف رسائل میں اورایک کتاب ''عیارِ غالب'' میں شائع ہوتے رہے۔ یہ بیس سال سے اوپر زمانہ پر محیط جہانِ غالب کی تئیس قسطیں ہیں جنہیں زمانی طور پر وہ ترتیب دیتے گئے۔

مختارالدین، ڈاکٹر کا مرتبہ ''نقدِ غالب'' علی گڑھ سے ۱۹۵۶ء میں شائع ہوا۔۲۷۵صفحات کی اس کتاب میں تیرہ عنوانات کے تحت مختلف ناقدین کے مضامین شامل ہیں۔ یہ مضامین غالب کی نظم ونثر پہ تنقیدی نقطۂ نظر سے نئے انداز میں روشنی ڈالتے ہیں۔اس کتاب کے مضامین میں غالب سے متعلق موجودہ تحقیق وتنقید کا معیار متعین کرنے میں مدد ملتی ہے۔

عتیق احمد صدیقی کی کتاب ''غالب بحیثیت اردو شاعر اور مکتوب نگار'' علی گڑھ سے ۱۹۹۶ء میں شائع ہوئی۔ ان مضامین میں غالب بحیثیت شاعر،قصیدہ گو،مکتوب نگار اور اُن کے کلام اور مقبولیت پر سیر حاصل تبصرہ کیا گیا ہے۔

شان الحق حقی کی کتاب ''آئینہ افکارِ غالب (کلامِ غالب پر نئی روشنی)''۲۰۰۱ء میں شائع ہوئی جس میں کلامِ غالب پر نئے انداز سے روشنی ڈالی گئی ہے۔اس کے علاوہ ان کے ۱۵تنقیدی وتحقیقی نوعیت کے مضامین نقدِ غالب کی روایت میں اہم اضافے کی حیثیت رکھتے ہیں اور کئی نئی جہتوں پر روشنی ڈالتے ہیں۔

نورالحسن نقوی کی کتاب ''غالب شاعر ومکتوب نگار'' ایجوکیشنل بک ہاؤس علی گڑھ سے ۲۰۰۰ء میں شائع ہوئی تقریباً ۲۰۰صفحات کی یہ کتاب تین حصوں پر مشتمل ہے جو بالترتیب غالب کی حیات، شاعری کا تنقیدی جائزہ لیتے ہوئے فنِ مکتوب نگاری پر سیر حاصل گفتگو ہے۔ یہ کتاب جو نقدِ غالب کی روایت آگے بڑھانے اور اسے مضبوط و مستحکم بنانے میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔

متذکرہ کتب کے علاوہ مندرجہ ذیل فاصلوں کا کارواں نقدِ غالب کی روایت کو آگے بڑھانے، مضبوط و مستحکم بنانے میں سرمایۂ گراں قدر ہیں۔ اِن کے مضامین میں فکروفن کے گوشوں کو وا کرنے میں خلیل الرحمٰن عظمی، آزرمیدخت صفوی، ڈاکٹر آصفہ زمانی، آفتاب احمد شمس، ڈاکٹر ابنِ فرید، ڈاکٹر ابوالکلام قاسمی، اعجاز اختر، افتخار صدیقی، بیگم ظہیراحمد صدیقی، افسر قریشی، اقرار احمد عباسی، انجمن آراء انجم، باقر مہدی، بشیر بدر، تنویراحمد علوی، جانثاراختر، جلیل قدوائی، حمیدہ سلطان، خلیق احمد نظامی، خواجہ منظور حسین، ذکاء الدین شایاں، رالف رسل، ریاض پنجابی، سعیداحمد صدیقی، سلامت اللہ، سلطان صدیقی، شہناز ہاشمی، عابدرضا بیدار، علی سردار جعفری، فرخ جلالی، فریدہ خان، کبیراحمد جائسی، محمد مجیب، ڈاکٹر محمود الٰہی، مرتضٰی حسین بلگرامی، مرغوب حسن، معصوم رضا راہی، مغیث الدین فریدی، مفتون احمد، ملک اسمٰعیل، ممتاز حسین، منظرعباس نقوی، نسیم فاطمہ، نوراحمد الانی، وحید قریشی، محمد یونس خالدی کے نام اہمیت کے حامل ہیں۔

علی گڑھ میں نقدِ غالب کی روایت میں سرِ دست جن تک رسائی ہوسکی نصف صدی میں کم وبیش تین سو مضامین غالب کے فکروفن کو اُجاگر کرتے ہیں اور چار درجن کتب غالب کے فکروفن کی گرہوں کو سلجھاتی اور معیار متعین کرتی ہیں۔ اس انتقادی تجزیے میں سب سے زیادہ کام غالب کی اردو شاعری پر ہوا چونکہ اُنکی فکر میں تہذیبوں کی کشاکشِ زیست کو شعری پیکر میں ڈھالا گیا ہے۔ اس لیے وہ برصغیر میں فکری انقلاب کے اولین داعی بھی ہیں اور تبدیلی کے خوگر و خواہاں بھی۔ اس لیے اُن کی شاعری اپنے عہد کے شعری رویوں کو متاثر کرنے کے ساتھ ساتھ موجودہ دور کے شعری محاسن پر اپنے اثرات واضح مرتب کرتی ہے۔ اسی لیے آج بھی غالب اسی طرح تروتازہ ہیں اور غالب کے فکروفن کی کئی پرتیں اور گرہیں کھلنے کے باوجود ان کے فکروفن کے کئی گوشوں کو ابھی بھی اُجاگر کرنے کی گنجائش باقی ہے۔ اس لیے انتقادی جتنی کمندیں غالب کے پُراسرار رمز کے اُفق پہ ڈالی جائیں۔ غالب کے افکار کو اپنی گرفت میں لانا محال ہے۔ غالب کے شعری محاسن اور فنی خوبیوں کو گرفت میں کرنے کے لیے اِن کے فکروفن کی جولاں گاہ کو قدیم و جدید شعری ادب کے تناظر میں دیکھا گیا اور غالب کے شعری محاسن کی قدر و قیمت کا جائزہ لیا گیا۔ مثلاً اس انتقادی زمانے کو تین ادوار میں منقسم کیا جاسکتا ہے جس میں غالب کو پرکھا اور جانچا گیا۔

قدما کے دور سے تقابل، متوسطین اور جدید شعرا سے تقابل، مغربی شعرا مفکرین مصوروں اور سنگ تراشوں سے تقابل۔ غالب کے انتقادی تجزیے سب سے زیادہ غالب جشنِ صدسالہ منظرِ عام پر آئے تنقیدی کتب کے علاوہ رسائل اور اخباروں نے بھی اہم کردار ادا کیا۔ حالی سے لمحہ موجود تک تنقیدی سرمائے کو یک گونہ سرفرازی

حاصل ہے گو کہ غالب پر لکھنے والے اہلِ قلم نے غالب کے ساتھ ساتھ اپنی علمیت کی جولانیوں سے بھی متعارف کروایا اور معیار کی نسبت مقدار کو مدِ نظر رکھا گیا۔ اِن سب باتوں سے قطع نظر یہ کہ تنقیدی کام کی رفتار تیز رہی جس کی وجہ سے علی گڑھ میں تنقیدی کام کی صورتِ حال حوصلہ افزا ہے۔ خاص طور پر آزادی کے بعد لگاتار تنقیدی کتب منظرِ عام پر آئیں جو ذخیرۂ غالبیات میں سرمایہ کی حیثیت رکھتی ہیں۔ علی گڑھ میں نقدِ غالب کے سلسلے میں سرسید کی ''آثار الصنادید'' میں شامل غالب پر مضمون، حآلی کی ''یادگارِ غالب'' تنقیدی نوعیت کے آغاز کی نوعیت رکھتی ہیں مگر پہلی باقاعدہ تنقیدی کتاب عبدالرحمٰن بجنوری کی ''محاسنِ کلامِ غالب'' سے لے کر حال تک علی گڑھ میں تنقیدی سرمائے کو کلی طور پر سرفرازی حاصل ہے۔

اِک قصر جسے وقت نے تعمیر کیا تھا
اس قصر کا چہرہ ہے ''روایاتِ ''علی گڑھ
صدیوں میں علی گڑھ میں جو بنی تھیں روایات
ان سب کا خلاصہ ہے روایات علی گڑھ
اِک سابقہ تہذیب و ثقافت کا جریدہ
تاریخ کا حصہ ہے روایاتِ علی گڑھ
اظہار بھی بے ساختہ الفاظ شگفتہ
اسلوب میں سادہ ہے روایات علی گڑھ
مضمون سے ہمرشتہ ہیں الفاظ و معنی
احساس ہے جذبہ ہے روایاتِ علی گڑھ
(حنیف اسعدی)

حوالہ جات

۱۔ نیاز فتح پوری: ''ادبیات اور اُصولِ نقد''، نگار، سالنامہ ۱۹۸۸ء، ص ۱۴۹۔

۲۔ چودھری محمد افضل: ''فنِ تنقید اور تنقیدیں''، مکتبۂ عالیہ، لاہور، ص ۱۰ تا ۱۲۔

۳۔ محمد قاسم صدیقی: ''پہلا غالب پرست''، مشمولہ سورج، ۲۰۰۳ء، ص ۳۱۳۔

۴۔ صحیفہ غالب نمبر، جلد چہارم، اکتوبر ۱۹۶۹ء، ص ۶۹۔

۵۔ شمس بدایونی، ڈاکٹر: ''مجنوں گورکھپوری اور نقدِ غالب''، ص ۴۹۔

۶۔ ضیاء الدین، ڈاکٹر: ''یوسف حسین خان اور نقدِ غالب''، مشمولہ غالب نامہ، جلد ۱۰، شمارہ ۲۰، جولائی ۱۹۸۹ء، ص ۲۰۱۔

۷۔ بحوالہ ''فکر و نظر'' سرور نمبر، مقالہ آل احمد سرور اور علیگڑھ، سلطان احمد سرور صاحب کے خط کا عکس جس میں انہوں نے اپنے قلم سے مختصر حالات قلم بند کیے ہیں، ص ۳۵۴، ۳۵۳۔

۸۔ صباح الدین: ''رشید احمد صدیقی اور غالب''، غالب مدح وقدح کی روشنی میں، ۱۹۷۹ء، ص ۲۸۰۔

۹۔ رشید احمد صدیقی: ''کوئی بتلاؤ کہ ہم بتلائیں کیا؟'' مشمولہ غالب نکتہ داں، مرتب لطیف الزماں خاں، دانیال کراچی، ۱۹۹۷ء، ص ۱۹۔